سوال

(14)اجتماعی موت پر میراث کے احکام

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اجتماعی موت پر میراث کے احکام

الجواب بعون الوہاب بشرط صحۃ السؤال

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

اجتماعی موت کے واقعات عموماً وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔جب دو یا دو سے زیادہ ایک دوسرے سے میراث لینے والے لوگ یکبار اکٹھے فوت ہو جائیں اور پہلے اور بعد میں مرنے والوں کا پتہ نہ چل سکے کہ کون وارث بنا اور کون موروث مثلاً: دیوار کے نیچے آگئے یا پانی میں ڈوب گئے یا آگ میں جل گئے یا طاعون وغیرہ کی زد میں آگئے یا معرکہ جنگ میں کام آگئے یا کار بس ،ہوائی جہاز، ریل گاڑی وغیرہ کے حادثے میں ہلاک ہوگئے۔جب اجتماعی موت کا واقعہ ہو جائے تو اس معاملے کی پانچ حالتیں ممکن ہیں۔

1۔متعدد افراد موت کی آغوش میں چلے گئے اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پہلے کون مرا بعد میں کون تو اس صورت میں فوت شدگان آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے بلکہ ہر ایک کا ترکہ ان کے زندہ ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگا کیونکہ کسی کو وارث بنانے کی یہ شرط ہے کہ وہ اپنے مورث کی موت کے وقت زندہ ہو لیکن یہ شرط اس جگہ مفقود ہے۔

2۔اگر معلوم ہوگیا کہ ایک شخص دوسرے سے پہلے فوت ہوا تھا اس میں کوئی بھول یا شک شبہ نہ ہو تو متاخر شخص مقدم کا بالاجماع وارث ہوگا کیونکہ مورث کی موت کے بعد وارث کا زندہ ہونا ضروری ہے جو یہاں ثابت شدہ ہے۔

3۔بعض افراد کی موت بعض سے متاخر واقع ہوئی لیکن یہ علم نہ ہو سکا کہ پہلے کون مرا اور بعد میں کون۔

4۔یہ معلوم تھا کہ فلاں پہلے مرا اور فلاں بعد میں لیکن یہ ترتیب یاد نہ رہی۔

5۔موت کے واقعے کا بروقت علم نہ ہو سکا چنانچہ معلوم نہ ہوا کہ سب بیک وقت فوت ہوئے یا یکے بعد دیگرے۔

آخری تین حالتوں میں احتمال کی گنجائش ہے جس میں نظر و فکر سے اجتہاد کی ضرورت ہے۔اس کے بارے میں علمائے کرام کے دو قول ہیں۔

ان مذکورہ تینوں صورتوں میں مرنے والے باہم وارث نہیں ہوں گے۔یہ قول صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کی ایک جماعت کا ہے۔ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ،زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل ہیں۔آئمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ،مالک اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔اور یہ امام

احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے بھی مطابق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ورثہ پانے کی شرائط میں ہے کہ مورث کی وفات کے بعد وارث زندہ ہو اور یہ شرط یہاں یقینی نہیں بلکہ مشکوک ہے اور شک سے حق وراثت ثابت نہیں ہوتا۔ نیز جنگ یمامہ، جنگ صفین اور جنگ حرہ کے مقتولوں کو ایک دوسرے کا وارث نہیں بنایا گیا تھا۔

ہر ایک دوسرے کا وارث ہو گا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین میں سے حضرت عمر بن خطاب اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے قائل ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر مذہب بھی ہے۔ اس قول کی بنیاد یہ ہے کہ ہر ایک کا زندہ ہونا یقین سے ثابت ہے جو اصل ہے۔ اصل یہ ہے کہ اسے دوسرے کی موت کے بعد زندہ سمجھا جائے۔ نیز سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت میں شام میں طاعون کی وبا پھیل گئی تو لوگ یکے بعد دیگرے مرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ایک دوسرے کا وارث بنایا جائے۔

ان کی توریث کے لیے یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ ورثاء اس قسم کی مشتبہ اموات میں اختلاف نہ کریں کہ ہر کوئی دعوی کرے کہ ہمارا مورث بعد میں مرا ہے جبکہ ان میں سے دلیل کوئی بھی پیش نہ کرے اختلاف کی صورت میں ورثاء قسمیں اٹھائیں گے لیکن ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے۔

اس قول کے مطابق تقسیم وراثت اس طرح ہوگی کہ ہر میت کا وہ مال تقسیم ہوگا جو اس کا ذاتی قدیم مال ہے نہ کہ وہ مال جو اسے اس شخص کے ترکہ سے ملا ہے جو اس کے ساتھ فوت ہوا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس اجتماعی موت میں ہر ایک کو اولاً یہ فرض کیا جائے گا کہ وہ پہلے فوت ہوا تھا لہٰذا اس کا ذاتی ترکہ مال قدیم اس کے زندہ ورثاء میں اور جو اس کے ساتھ فوت ہوئے تھے ان میں تقسیم کیا جائے گا۔ باقی رہا وہ مال جو اسے اپنے ساتھ فوت ہونے والوں کی طرف سے ملا ہے وہ صرف زندہ ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگا تاکہ ہر ایک اپنے ہی مال کا خود وارث نہ ہو۔ پھر اس عمل کو دہرایا جائے گا کہ کسی شخص کو یہ فرض کیا جائے گویا وہ بعد میں فوت ہوا اور اسے دوسری میت کا بحیثیت وارث اسی طرح حصہ ملے گا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

اس مسئلے میں راجح قول پہلا قول ہے کہ بیک وقت فوت ہونے والے زیادہ افراد باہم ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے کیونکہ احتمال اور شک سے حق وراثت ثابت نہیں ہوتا جبکہ اس واقعے میں کسی کی موت کو مقدم اور کسی کی موت کو مؤخر قرار دینا صرف لاعلمی کی بنیاد پر ہے جو کالعدم ہے نیز کسی زندہ شخص کو میراث اس لیے ملتی ہے تاکہ وہ مورث کے بعد اس سے فائدہ اٹھائے اور یہ چیز یہاں مفقود ہے۔ علاوہ ازیں انھیں باہم وارث قرار دینے میں تناقص پایا جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ کسی کو وارث قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ وفات میں متاخر ہے اور پھر اس کے ترکے کا کسی دوسری میت کو وارث قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ وفات میں مقدم ہے۔ ایک ہی شخص کو موت میں بیک وقت مقدم اور مؤخر قرار دینا تناقص ہے۔

الغرض راجح قول کے مطابق مال ترکہ صرف ان ورثاء کو ملے گا جو زندہ ہوں گے اور جو اس کے ساتھ ہی فوت ہوئے ہیں انھیں کچھ حصہ نہ ملے گا۔ اس عمل کی بنیاد یقین پر ہے نہ کہ شک و شبہ پر واللہ اعلم۔

رد کا بیان

"رد" کے لغوی معنی پھیرنے اور لوٹانے کے ہیں دین حق سے پھر جانے کو بھی "ارتداد" اسی وجہ سے کہتے ہیں جبکہ اصطلاح میراث میں "رد" سے مراد ہے "اصحاب الفرائض کے حصص کی ادائیگی کے بعد جو سہام باقی بچ جائیں اور کوئی عصبہ وارث نہ ہو انھیں دوبارہ اصحاب الفرائض نسبیہ پر لوٹا دینا۔"

اللہ تعالیٰ نے بعض ورثاء کے حصے جیسے نصف چوتھائی آٹھواں دو تہائی اور چھٹا مقرر فرما دیے ہیں۔

علاوہ ازیں عصبات مردوں یا عورتوں کے لیے طریقہ تقسیم بھی بیان کر دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

"أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ"

"اصحاب الفروض کوان کے حصے دو۔ پھر جو بچ جائے وہ قریبی مرد (عصبہ) کو دو۔" [1]

یہ حدیث قرآن مجید کے حکم کی وضاحت کرتی ہے اور ورثاء کی دونوں قسموں میں تقسیم ترکہ میں ترتیب مقرر کرتی ہے۔ لہٰذا جب اصحاب الفرائض اور عصبہ ورثاء کی دونوں قسمیں موجود ہوں تو حدیث مذکورہ کی روشنی میں حکم واضح ہے کہ اولاً اصحاب الفرائض کوان کے مقررہ حصص دیے جائیں اور جو ترکہ باقی بچ جائے وہ عصبہ کو دیا جائے۔ اگر باقی کچھ نہ بچے تو عصبہ محروم ہوگا۔ اور اگر صرف عصبات وارث ہوں تو وہ سارا مال اپنی تعداد کے مطابق بانٹ لیں گے۔

اشکال اس صورت میں ہے کہ جب اصحاب الفرائض کو ان کے مقررہ حصص دے کر ترکہ بچ جائے اور عصبہ میں سے بھی کوئی موجود نہ ہو جسے باقی ترکہ مل جائے تو اس کا حل یہ ہے کہ بچا ہوا ترکہ بھی اصحاب الفرائض پر ان کے سہام کے مطابق دوبارہ لوٹا دیا جائے گا۔ البتہ خاوند یا بیوی میں سے کوئی موجود ہو تو اس پر رد نہ ہوگا۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأُولُوا الأَرحامِ بَعضُهُم أَولىٰ بِبَعضٍ فى كِتـٰبِ اللَّهِ ... ٦ سورة الاحزاب

"اور اللہ کے حکم میں رشتے ناتے والے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ نزدیک ہیں۔" [2]

چونکہ اصحاب الفرائض بھی میت کے رشتے دار ہیں لہٰذا وہ اس کے باقی ترکہ کے (عصبات کے سوا) دوسروں کی نسبت زیادہ حقدار ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

"وَمَن تَرَكَ مَالاً فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ"

"جو شخص مال چھوڑ گیا وہ اس کے ورثاء کا حق ہے۔" [3]

یہ حکم نبوی اس تمام مال کے بارے میں ہے جو میت چھوڑ جائے حتیٰ کہ اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو مال بچ جائے وہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔ لہٰذا جب عصبات نہ ہوں تو اصحاب الفرائض اپنے مورث کے مال کے زیادہ حقدار ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایام بیماری میں ان کی بیمار پرسی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ترکہ کی وارث صرف میری ایک بیٹی ہے۔ سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اکیلی بیٹی کو کل ترکہ کا وارث قرار دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کو غلط قرار نہیں دیا۔ اگر یہ بات غلط ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ٹوک دیتے چنانچہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر صاحب فرض اپنا مقرر حصہ وصول کرلے اور مال ترکہ باقی بچ جائے اور عصبہ وارث نہ ہو تو صاحب فرض باقی مال بھی سمیٹ لے گا اور یہی "رد" ہے۔

تمام اصحاب الفرائض پر رد ہوتا ہے سوائے زوجین کے کیونکہ زوجین کبھی نسبی رشتے دار نہیں ہوتے لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

وَأُولُوا الأَرحامِ بَعضُهُم أَولىٰ بِبَعضٍ فى كِتـٰبِ اللَّهِ ... ٦ سورة الاحزاب

[4] کے عمومی حکم میں شامل نہیں۔

اہل علم کا اتفاق ہے کہ زوجین پر رد نہیں ہوتا۔ البتہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جو روایت آتی ہے کہ انھوں نے خاوند پر رد کیا تھا تو ممکن ہے انھوں

نے رد کے سوا کسی اور صورت میں دیا ہو۔ مثلاً: وہ عصبہ یا ذو رحم بھی ہو۔

ذوی الارحام کی میراث کا بیان

علم میراث کی اصطلاح میں "ذی رحم "ہر وہ رشتے دار ہے جو نہ صاحب فرض ہو اور نہ عصبہ ہو۔ ذوی الارحام کی اجمالا چار اقسام ہیں۔

1۔ جو میت کی طرف سے منسوب ہوں جیسے بیٹیوں کی اولاد پوتیوں کی اولاد نیچے تک۔

2۔ جس کی طرف میت منسوب ہو جیسے جد فاسد، یعنی ماں کا باپ دادی کا باپ اور جدہ فاسدہ یعنی نانا کی ماں۔

3۔ جو میت کے والدین کی طرف منسوب ہو جیسے بہنوں کی اولاد (بھانجے بھانجیاں) بھائیوں کی بیٹیاں (بھتیجیاں) اخیافی بھائیوں کی اولاد او نیچے تک جو بھی ان کے ساتھ میت کی طرف نسبت کرے۔

4۔ جو میت کے دادا، نان یا دادی و نانی کی طرف منسوب ہو۔ مثلاً: اخیافی چچے، پھوپھیاں، چچوں کی بیٹیاں، ماموں اور خالائیں اگرچہ دور کے ہوں اور ان کی اولاد۔

تنبیہ: یہ تمام مذکورہ ورثاء اور ان کے علاوہ جو ان کے واسطے سے میت سے قرابت رکھے وہ ذوی الارحام میں شمار ہوگا۔

ذوی الارحام تب وارث ہوں گے جب (زوجین کے سوا) کوئی صاحب فرض اور عصبہ نہ ہو۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے:

وَأُولُوا الأَرحامِ بَعضُهُم أَولىٰ بِبَعضٍ فى كِتـٰبِ اللَّهِ   ٦ ... سورة الاحزاب

"اور اللہ کے حکم میں رشتے ناتے والے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ نزدیک ہیں۔"[5]

اللہ تعالیٰ کا عمومی فرمان ہے:

لِلرِّجالِ نَصيبٌ مِمّا تَرَكَ الوٰلِدانِ وَالأَقرَبونَ وَلِلنِّساءِ نَصيبٌ مِمّا تَرَكَ الوٰلِدانِ وَالأَقرَبونَ   ٧ ... سورة النساء

"ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکہ میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی (جو مال ماں باپ اور خویش واقارب چھوڑ کر مریں۔)[6]

ان آیات میں عام مردوں اور عورتوں کے لیے میراث کا ذکر ہے وہ صاحب فرض ہو یا عصبہ یا ذوی الاحارم۔

آیت میں جو تخصیص کا دعوی کرتا ہے اس کے ذمے دلیل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

"اَلْخَالُ وَارِثُ مَنْ لاوَارِثَ لَہُ"

"جس کا کوئی (صاحب فرض اور عصبہ) وارث نہ ہو اس کا وارث ماموں ہے۔"[7]

وجہ دلالت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس میت کا وارث صاحب فرض یا عصبہ نہ ہو اس کے ماموں کو ذوی الاحارم میں سے ہے۔ وارث قرار دیا ہے لہٰذا حدیث شریف کا اطلاق ماموں کی طرح دوسرے ذوی الاحارم پر بھی ہو گا۔

درج بالا دلائل ان حضرات کے ہیں جو ذوی الاحارم کو وارث بنانے کے قائل ہیں۔ یہی رائے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کی تھی ان میں سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل ہیں۔ حنابلہ اور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ مذہب شافعیہ کی جدید رائے یہی ہے بشرطیکہ بیت المال کا انتظام نہ ہو۔

ذوی الاحارم کو وارث بنانے کے قائلین نے آپس میں طریقہ تقسیم میں اختلاف کیا ہے چنانچہ اس کے بارے میں اہل علم کے مشہور درج ذیل دو قول ہیں۔

1۔ پہلا قول بمنزلہ گردلننے کا ہے اس قول والوں کے نزدیک ذوی الاحارم خود بلا واسطہ وارث نہیں ہوتے۔ یہ حضرات ذوی الاحارم کو ان اصحاب الفرائض اور عصبات کے قائم مقام بناتے ہیں جن کے واسطے سے ان کی میت سے رشتے داری اور قرابت ہے۔ اور پھر انھی والا حصہ دیتے ہیں مثلاًان کے نزدیک بیٹیوں کی اولاد اور پوتیوں کی اولاد اپنی ماؤں کے قائم مقام ہوگی۔ اور اخیافی چچا اور پھوپھیاں باپ کے قائم مقام ہوں گی۔ اسی طرح ماموں خالائیں اور نانا ماں کے قائم مقام ہوں گے اور بھتیجیاں اور بھائیوں کی پوتیاں اپنے باپوں کے قائم مقام ہوں گی۔ علی ھذاالقیاس۔

2۔ ذوی الاحارم میں ترکہ کی تقسیم عصبات کی طرح ہوگی جس کی بنیاد الاقرب فالاقرب ہے۔ واللہ اعلم۔

مطلقہ عورت کی میراث کا بیان

یہ امر واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقد زوجیت کو وارث بننے کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَكُم نِصفُ ما تَرَكَ أَزوٰجُكُم إِن لَم يَكُن لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمّا تَرَكنَ مِن بَعدِ وَصِيَّةٍ يوصينَ بِها أَو دَينٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمّا تَرَكتُم إِن لَم يَكُن لَكُم وَلَدٌ فَإِن كانَ لَكُم وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمّا تَرَكتُم مِن بَعدِ وَصِيَّةٍ توصونَ بِها أَو دَينٍ ۱۲ ... سورۃالنساء

"تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھا (نصف) تمہارا ہے۔ "اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کو چھوڑے ہوئے مال میں سے تمہارے لیے چوتھائی حصہ ہے اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔ "اور جو (ترکہ) تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔ اور اگر تمہاری اولاد ہو انھیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔"[8]

جب تک عقد زوجیت قائم ہے تب تک حق میراث باقی ہے الایہ کہ کوئی مانع ارث حائل ہو جائے۔

جب زوجیت کی گرہ مکمل طور پر کھل جائے جس کی صورت طلاق بائن ہے تو حق میراث ختم ہو جاتا ہے کیونکہ سبب موجود نہ رہا تو مسبب بھی جاتا رہا۔ البتہ طلاق رجعی کی صورت میں عورت عدت کے دوران میں حق میراث سے محروم نہ ہوگی۔ مطلقہ کی میراث کی توضیح میں فقہائے کرام نے کتب میراث میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ مطلقات کی اجمالاًتین قسمیں ہیں۔

1۔ مطلقہ رجعیہ: جس عورت کو رجعی طلاق ہو۔ ایسی طلاق طلاق دینے والے کی حالت صحت میں دی گئی ہو یا حالت مرض الموت میں دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

2۔ مطلقہ بائنہ: جسے حالت صحت میں ایسی طلاق دی گئی ہو جس میں رجوع کا حق نہیں رہتا۔

3۔ مطلقہ بائنہ : یعنی جسے حالت مرض الموت میں طلاق دی گئی ہو جس میں رجوع کا حق نہیں رہتا۔

پہلی قسم کی عورت بالاجماع "حق میراث" رکھتی ہے بشرطیکہ طلاق دینے والا فوت ہو جائے اور مطلقہ اپنی عدت طلاق کے اندر ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک مطلقہ عدت میں ہو وہ طلاق دینے والے کی بیوی ہی شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے بیوی کے حقوق بھی حاصل ہوں گے۔

جس عورت کو شوہر نے حالت صحت میں طلاق بائن دی وہ بالاجماع وارث نہیں کیونکہ طلاق بائن سے زوجیت کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں شوہر پر الزام بھی نہیں لگ سکتا کہ اس نے بیوی کو محروم رکھنے کے لیے طلاق دی ہے۔ اسی طرح اگر مرد بیوی کو اپنی ایسی بیماری میں طلاق بائن دے جس میں موت کا اندیشہ نہ ہو اس کا بھی درج بالا حکم ہے۔

جس عورت کو اس کے شوہر نے مرض الموت میں طلاق بائن دی۔ اور اس پر بیوی کو بلاوجہ میراث سے محروم کرنے کا الزام بھی نہیں لگایا جا سکتا تو ایسی عورت بھی وارث نہ ہوگی۔ اور اگر شوہر پر یہ الزام آتا ہو کہ اس نے مرض الموت میں اس لیے طلاق بائن دی کہ اسے میراث سے محروم کر دے تو مطلقہ عورت عدت میں ہو یا عدت گزار چکی ہو وارث ہو گی بشرطیکہ اس نے دوسرے جگہ شادی نہ کی ہو یا مرتد نہ ہو چکی ہو۔

مرض الموت میں طلاق بائن کی صورت میں جبکہ خاوند پر شک کیا جا سکتا ہو۔ مطلقہ کو وارث بنانے کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کو وارث قرار دیا تھا جب انھوں نے حالت مرض الموت میں طلاق بائن دی تھی صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین میں سے کسی نے بھی اس مشہور فتوے کی مخالفت نہیں کی تھی۔ نیز اس سے فساد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص مرتے وقت بیوی کو اس کے حق میراث سے محروم کر جائے۔ اسی لیے یہ کہنا درست نہیں کہ مطلقہ بائنہ عدت کے دوران اپنے شوہر کی میراث کا حق رکھتی ہے بعد از عدت نہیں۔ واللہ اعلم۔

انعقاد نکاح کے بعد زوجین ایک دوسرے کے وارث قرار پاتے ہیں۔ رخصتی ہو یا نہ ہو اور خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو کیونکہ آیت کریمہ کے حکم میں عموم ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَكُم نِصفُ ما تَرَكَ أَزوٰجُكُم إِن لَم يَكُن لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمّا تَرَكنَ مِن بَعدِ وَصِيَّةٍ يوصينَ بِها أَو دَينٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمّا تَرَكتُم إِن لَم يَكُن لَكُم وَلَدٌ فَإِن كانَ لَكُم وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمّا تَرَكتُم مِن بَعدِ وَصِيَّةٍ توصونَ بِها أَو دَينٍ ١٢ ... سورة النساء

"تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھا (نصف) تمہارا ہے۔ "اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کو چھوڑے ہوئے مال میں سے تمہارے لیے چوتھائی حصہ ہے اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔ "اور جو (ترکہ) تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔ اور اگر تمہاری اولاد ہو انھیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔"[9]

اس کی وجہ یہ ہے کہ زوجیت کا رشتہ نہایت اہم با اعتماد اور مقدس ہے جس پر بہت سے احکام مرتب ہوتے ہیں نیز اس پر عظیم مصلح کا دارومدار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے دوسرے کے مال سے بعد از موت ایک حصہ مقرر کر دیا ہے جیسا کہ اس کے اقرباء کا حق ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ ہر ایک دوسرے کو احترام و توقیر کی نگاہ سے دیکھے۔

دین اسلام کے دن جملہ احکام میں خیر و برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی پر ہمیں زندہ رکھے اور اسی پر موت دے۔

---

[1]۔ صحیح البخاری، الفرائض باب میراث الولد ابیہ وامہ حدیث 6732۔ و صحیح مسلم الفرائض باب الحقوالفرائض باھلھا فما بقی فلاولیٰ رجل ذکر حدیث 1615۔

[2]۔ الانفال: 8/75۔

[3]۔ صحیح البخاری الکفالۃ باب الدین حدیث 2298 و صحیح مسلم الفرائض باب من ترک مالا فلورثتہ حدیث 1619 واللفظ لہ۔

[4]۔الانفال:8/75۔

[5]۔الانفال:8/75۔

[6]۔النساء:4/7۔

[7]۔سنن ابی داؤد الفرائض باب فی میراث ذوی الاحارم حدیث 2899 وجامع الترمذی، الفرائض باب ماجاء فی میراث الخال حدیث 2104۔

[8]۔النساء:4۔12۔

[9]۔النساء:4۔12۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہی احکام ومسائل

وراثت کے مسائل: جلد 02: صفحہ 233